AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

The Relationship Between Cultural Symbolism And Mythological Techniques In Urdu Fiction: The Intertextual Creation Of Pakistani Cultural Identity

تہذیبی شعور اور تخلیقی ادب کا باہمی مکالمہ: ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر اسد محمود خان
ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ اردو/انٹرنیشنل ریلیشنز ,منہاج یونیورسٹی،لاہور
assadphdir@gmail.com

Abstract

This research explores the dynamic interplay between cultural consciousness and creative literature, analyzing how literature not only reflects but also shapes the cultural identity of a society. The study aims to investigate how literary expression becomes a site of dialogue where cultural values, traditions, and evolving identities intersect. Through critical analysis of selected literary texts, the research examines the ways in which creative writing internalizes cultural consciousness and re-articulates it in imaginative and symbolic forms. The study further investigates the role of writers as cultural agents who document, critique, and reconstruct societal narratives. It highlights how cultural identity is not a static construct but a continuously evolving phenomenon shaped by creative engagement with literature. The research adopts a qualitative analytical approach, rooted in literary theory and cultural studies, to unpack this complex relationship. Ultimately, the study offers insights into how literature serves as a vibrant medium for the expression, preservation, and transformation of cultural identity.

AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

Key Words: Cultural Consciousness, Creative Literature, Identity Formation, Literary Expression, Cultural Dialogue, Symbolism, Cultural Studies

(مُلخّص)

یہ تحقیق تہذیبی شعور اور تخلیقی ادب کے باہمی تعلق کا تجزیہ پیش کرتی ہے، جس میں یہ مطالعہ کیا گیا ہے کہ ادب نہ صرف کسی معاشرے کی تہذیبی شناخت کا عکس بنتا ہے بلکہ اس کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس مطالعے میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ تخلیقی ادب کس طرح تہذیبی اقدار، روایات اور شناختوں کے درمیان ایک فکری مکالمے کا میدان فراہم کرتا ہے۔ منتخب ادبی متون کے تنقیدی تجزیے کے ذریعے یہ تحقیق اس پہلو کو واضح کرتی ہے کہ تخلیقی تحریر کس طرح تہذیبی شعور کو جذب کرتی ہے اور اسے علامتی و تخیلاتی انداز میں دوبارہ پیش کرتی ہے۔ یہ مطالعہ ادیب کے اس کردار کو بھی اجاگر کرتا ہے جو معاشرتی بیانیوں کو محفوظ، تنقید اور ازسرِ نو تشکیل دینے کا کام کرتا ہے۔ تحقیق اس نکتہ پر زور دیتی ہے کہ تہذیبی تشخص جامد نہیں بلکہ تخلیقی عمل کے ذریعے ارتقائی مراحل سے گزرتا ہے۔ یہ مطالعہ ادبی نظریات اور ثقافتی مطالعہ جات پر مبنی تجزیاتی طریقہ کار اختیار کرتا ہے تاکہ ادب اور تہذیب کے اس باہمی تعلق کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔

کلیدی الفاظ : تہذیبی شعور، تخلیقی ادب، شناخت کی تشکیل، ادبی اظہار، ثقافتی مکالمہ، علامت نگاری، ثقافتی مطالعات

تہذیبی شعور اور تخلیقی ادب کا باہمی مکالمہ: ایک تجزیاتی مطالعہ

(1)

تخلیقی ادب اور تہذیب کے درمیان باہمی مکالمہ، دونوں کے درمیان تعلق کو ایک ساکت، یکساں اور جامد ڈھانچے کے بجائے ایک سیال، متحرک اور مباحثاتی فریم میں رکھتا ہے۔ تہذیب، جو روایتی طور پر رسوم، روایات، اقدار اور روایتی علم (traditional knowledge) کا مجموعہ سمجھی جاتی ہے، تخلیقی مکالمے کے نتیجے میں ایک قابلِ سوال (questionable) اور قابلِ تجدید (renewable) حقیقت بن جاتی ہے۔ یہ تناظر تہذیب کو حتمی (absolute) نہیں، بلکہ مسلسل تشکیل پذیر (evolving) حقیقت کے طور پر دیکھنے کا شعور فراہم کرتا ہے۔ ادب اس تہذیب سے نہ صرف اثر قبول کرتا ہے، بلکہ اسے ایک تخلیقی امکان (creative possibility) کے طور پر دیکھ کر اس کا نئے معنوں میں احاطہ کرتا ہے۔ جب تخلیق کار کسی تہذیبی استعارے، علامت یا روایت پر قلم اٹھاتا ہے، تو وہ صرف اس کی

AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

نمائندگی نہیں کرتا بلکہ اس کے اندر چھپے سوالات، تضادات اور امکانات کو بھی بے نقاب کرتا ہے۔ یوں ادب تہذیب کی اندھی پیروی نہیں کرتا بلکہ اس کی تنقیدی تفہیم میں شریک ہوتا ہے۔ یہ فکری عمل ادب کو محض بیانیہ یا تائیدی اظہار سے نکال کر ایک فعال (active) تنقیدی وجود عطا کرتا ہے، جو تہذیب کی تعبیر، تشریح، اور حتیٰ کہ اس کی تشکیلِ نو (reconstruction) کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ اس عمل میں ادب کئی زاویوں سے تہذیب کو دریافت کرتا ہے۔ وہ کبھی اس کی اخلاقی بنیادوں کو سوال میں لاتا ہے، کبھی اس کی جغرافیائی سرحدوں کو عبور کرتا ہے، اور کبھی اس کے تاریخی بیانیوں (historical narratives) کو از سرِ نو لکھتا ہے۔ یہ تمام صورتیں تہذیب کو ایک کثیر المعنٰی (polysemous) تجربہ بناتی ہیں، جو قاری کو بھی مجبور کرتی ہیں کہ وہ محض مروجہ معانی پر قناعت نہ کرے بلکہ اپنے شعور کی روشنی میں نئے مفاہیم تلاش کرے۔ اس فکری تعامل میں ادب کا کردار صرف تخریب یا تصدیق کا نہیں، بلکہ تجویز، تشکیل اور تجزیہ کا ہوتا ہے۔ یہ امتزاج ادب کو محض اظہار کا ذریعہ نہیں رہنے دیتا بلکہ ایک زندہ فکری تجربہ بناتا ہے جو فرد اور سماج کے باہمی رشتوں، ان کی تہذیبی تشکیل، اور ان کے فکری ارتقا کو نشان زد کرتا ہے۔ یوں ادب، تہذیب سے صرف مکالمہ نہیں کرتا بلکہ اسے نئے لسانی، فکری اور جمالیاتی (aesthetic) سانچوں میں ڈھالتا ہے۔

تہذیب و تمدن کے باہمی ربط پر اظہار کرتے ہوئے، ڈاکٹر جمیل جالبی (1) رقمطراز ہیں:

"ہر تہذیب اپنے تمدن کی پیش رو ہوتی ہے۔ تہذیب کے لیے شہر، دیہات، صحرا اور کوہستان کی کوئی قید نہیں کیونکہ تہذیب معاشرے کی اجتماعی تخلیقات اور اقدار کا نچوڑ ہوتی ہے، اس لیے تہذیب کے آثار ہر معاشرے میں ملتے ہیں۔"

ڈاکٹر سید عبداللہ (2)، ثقافت یا کلچر کی تشکیل کو محض معاشی عوامل کا نتیجہ نہیں سمجھتے بلکہ اسے انسانی عقائد، فکری نظام اور روحانی بنیادوں سے جڑا ہوا ایک گہرا مظہر قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق:

"کلچر (ثقافت) عقیدوں سے پیدا ہوتا ہے۔ محض انسان کی معاشی مجبوریوں اور ضرورتوں کی پیداوار نہیں، اگرچہ ان کا بھی کچھ اثر ضرور ہوتا ہے۔"

ادب کا تہذیبی شعور سے تعلق کسی ایک خاص قوم، نسل، یا خطے کا پابند نہیں ہوتا۔ اس کی فکری و جمالیاتی (aesthetic) رسائی سرحدوں، نسلوں اور مذاہب سے ماورا ہوتی ہے۔ جب کوئی تخلیق کار تہذیب سے مکالمہ کرتا ہے، تو وہ نہ صرف اپنی مقامی

شناخت کی پرتوں کو کھولتا ہے، بلکہ عالمی انسانی تجربے سے جڑے ان گنت پہلوؤں کو بھی شامل کرتا ہے۔ اردو ادب کی مثال اس تناظر میں خاص طور پر اہم ہے کیونکہ یہ ادب ابتدا ہی سے مختلف تہذیبوں کے میل جول کا مظہر رہا ہے۔ اردو زبان و ادب نہ صرف برصغیر کی صدیوں پر محیط مشترکہ تہذیب کی نمائندگی کرتا ہے بلکہ اس میں اسلامی تہذیب کی روح، فارسی سخنوری کی لطافت، ہندو دھرم کی علامتی معنویت، ترک و مغل حکمرانی کی شان و شوکت، اور مغربی فکر کی تنقیدی بصیرت بھی شامل ہے۔ اردو ادب کی یہ تہذیبی ہمہ گیری (cultural inclusivity) اسے ایک ایسے تخلیقی مکالمے میں شامل کرتی ہے جو مختلف تہذیبی رجحانات کو نہ صرف سمیٹتا ہے بلکہ ان کے باہمی تصادم، امتزاج اور ارتقا کو بھی فنکارانہ انداز میں پیش کرتا ہے۔ مثلاً میر، غالب، اقبال، فراق، منٹو، قرۃ العین حیدر، انتظار حسین، اور ن م راشد جیسے ادبا اور شعرا کے ہاں تہذیبی شعور نہ صرف مختلف حوالوں سے منعکس ہوتا ہے بلکہ اس میں ایک فکری جستجو بھی جاری رہتی ہے——ایک جستجو جو تہذیب کو روایت، تجربہ، اور امکان کے مثلث میں رکھ کر اسے نئی معنویت عطا کرتی ہے۔

ثقافت کی ساخت اور اس کے تمدنی مظاہر کی وضاحت کرتے ہوئے، ڈاکٹر نوازش (3) لکھتے ہیں:

> "ہر ثقافت اپنے ایک بنیادی نظر کے ساتھ جن تمدنی مظاہر کو فروغ دیتی ہے وہ بھی جزوِ ثقافت ہوتے ہیں اور ایک ثقافت انہی تمدنی مظاہر کے ذریعے پہچانی جاتی ہے۔ آداب و اطوار، خورد و نوش، فنون لطیفہ، اور اظہارِ مافی الضمیر کے وسائل بھی شامل ہیں، لیکن یہ سارے مظاہر ثقافت کی مرکزی فکر کے تابع ہوتے ہیں۔"

جیمز ایم ہینسلن (4) رقمطراز ہیں:

> "ادب صرف زندگی کا آئینہ نہیں بلکہ ایک فعال اور تخلیقی قوت بھی ہے جو نہ صرف انسانی تجربات کی عکاسی کرتی ہے بلکہ ان تجربات کو فکری اور جمالیاتی سطح پر نکھارنے کی بھی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔"

آج جب دنیا "بین الثقافتی تعامل (intercultural engagement)" اور "کثیر الثقافتی مکالمے" (multicultural dialogue) کے عہد میں داخل ہو چکی ہے، اردو ادب کا یہ تہذیبی مکالمہ مزید اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ کیونکہ اردو ادب، پہلے ہی سے ایک کثیر الساقہ (pluralistic) تہذیبی تجربہ رکھتا ہے، وہ جدید عالمی بیانیے میں نہ صرف اپنی معنویت برقرار رکھ سکتا ہے بلکہ اس بیانیے کو ایک متوازن، تاریخ شناس اور فکری گہرائی فراہم کر سکتا ہے۔ آج جب

ادب کے مرکزی موضوعات میں شناخت، اجنبیت (alienation)، جلاوطنی، مہاجرت، مذہبی تنوع، نسلی امتیاز، اور ثقافتی بحران جیسے مسائل شامل ہیں، اردو ادب ان تمام مباحث کے لیے نہایت موزوں حوالہ بن چکا ہے۔ اردو ادب کی یہی عالمی معنویت اس کے تخلیقی مکالمے کو ایک وسیع تر انسانی فہم (human understanding) کا حصہ بناتی ہے۔ یہاں ادب نہ صرف تہذیب کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ اس کی نئی صورت گری بھی کرتا ہے۔ یوں اردو ادب، مقامی اور عالمی تہذیبوں کے بیچ ایک پُل بن کر ابھرتا ہے، جو نہ صرف ماضی کی تہذیبی یادداشت (cultural memory) کو محفوظ رکھتا ہے بلکہ مستقبل کے امکانات کو بھی فنکارانہ اور فکری بصیرت کے ساتھ دریافت کرتا ہے۔

سبط حسن (5) لکھتے ہیں:

"ثقافت کا اظہار محض مادی مظاہر یا رسوم تک محدود نہیں، بلکہ اس کے پس منظر میں ایک گہرا فکری و روحانی نظام کارفرما ہوتا ہے۔ یہی فکری مرکز ثقافتی مظاہر کو معنویت اور تسلسل عطا کرتا ہے۔"

ادب اور تہذیب کے مکالمے کو جو حقیقی گہرائی اور فکری وسعت حاصل ہوتی ہے، وہ تب ممکن ہے جب تخلیق کار نہ صرف اپنی مقامی ثقافت، رسم و رواج، اور تاریخی تجربات سے گہری وابستگی رکھتا ہو، بلکہ وہ دیگر اقوام و تہذیبوں کے فکری اور جمالیاتی ذخیرے سے بھی آگاہی رکھتا ہو۔ یہ بین الثقافتی شعور (cross-cultural consciousness) تخلیق کار کے تخیل کو وسعت دیتا ہے اور اس کی زبان، اسلوب اور بیانیے میں ایک ایسا آفاقی رنگ بھر دیتا ہے جو صرف علاقائی حدود تک محدود نہیں رہتا بلکہ عالمی سطح پر معنویت اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے تخلیق کار کا ادب نہ صرف تہذیبی اظہار کا ذریعہ بنتا ہے بلکہ ایک فکری پُل بھی بن جاتا ہے جو مختلف تہذیبوں، روایات اور انسانی تجربات کو جوڑنے کا کام کرتا ہے۔ جب تخلیق کار اپنے ادب میں عالمی انسانی تجربے (universal human experience) کو اپنی تہذیبی حساسیت اور جمالیاتی حس کے ساتھ ہم آہنگ کرتا ہے، تو اس کے فن پارے میں وہ گونج پیدا ہوتی ہے جو دور دراز ثقافتوں کے قاری کو بھی متاثر کرتی ہے۔ یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں ادب صرف ایک قوم یا زبان کا ترجمان نہیں رہتا بلکہ ایک عالمی مکالمے کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس عمل میں تخلیق کار صرف ترجمانی (representation) نہیں کر رہا ہوتا بلکہ تہذیبوں کے مابین ایک فعال اور تخلیقی کردار ادا کر رہا ہوتا ہے۔

(2)

اردو ادب میں تہذیبی شعور اور تخلیقی ادب کے باہمی مکالمے کی بہت سی روشن مثالیں موجود ہیں، جو اس تصور کو مزید گہرائی اور وسعت عطا کرتی ہیں۔ اردو کے کئی ممتاز تخلیق کار ایسے ہیں جنہوں نے اپنی تخلیقات میں نہ صرف مقامی تہذیب کی جمالیات،

AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

اقدار اور روایات کو سمیٹا بلکہ اسے عالمی انسانی تجربے (universal human experience) سے جوڑ کر ایسا بیانیہ تشکیل دیا جو تہذیبی مکالمے کی بہترین مثال بن گیا۔ قرۃ العین حیدر کا ناول آگ کا دریا اس حوالے سے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں انہوں نے ہندوستانی تہذیب کی ہزار سالہ تاریخ کو اسلامی، ہندو، بدھ اور جدید مغربی فکری رجحانات کے ساتھ اس انداز میں جوڑا کہ یہ تخلیق ایک تہذیبی کولاژ بن کر سامنے آتی ہے۔ اسی طرح انتظار حسین کی کہانیوں میں ہجرت، جلاوطنی، روایت اور شناخت کے بحران جیسے موضوعات کے ذریعے وہ تہذیبی تسلسل اور اس کے شکست و ریخت (fragmentation) کو علامتی انداز میں بیان کرتے ہیں، جو نہ صرف برصغیر کی تہذیبی شکستگی کی عکاسی ہے بلکہ عالمی سطح پر جلاوطنی اور تہذیبی بے وطنی کے تجربے کا حصہ بھی بنتی ہے۔ فیض احمد فیض کی شاعری میں ظلم، جبر، مزاحمت اور امید جیسے آفاقی موضوعات کے ساتھ ساتھ تہذیبی علامتیں جیسے دار، زنجیر، کوفہ و شام اور رومی و رازی اس طرح آتے ہیں کہ ان کا کلام ایک تہذیبی احتجاج اور جمالیاتی مکالمہ بن جاتا ہے۔ ان مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اردو ادب نے ہمیشہ تہذیب کے ساتھ نہ صرف ہم آہنگی ظاہر کی ہے بلکہ تخلیقی سطح پر اس کا نقاد، معمار اور مفسر بھی بنا ہے۔ یہی وہ مکالمہ ہے جو ادب کو صرف "بیان" نہیں بلکہ "تشکیل" کا ذریعہ بناتا ہے۔ ادب اور تہذیب کے تعلق کو کھولتے ہوئے سجاد باقر رضوی (6) لکھتے ہیں:

"کسی معاشرے کی تہذیبی اور سماجی ساخت ایسی ذہنی کیفیتوں پر مبنی ہو
جن میں انفعال، ابتذال، تصنع، حیات کے مسائل سے فرار، عیش پسندی،
احساسِ کمتری، اور شکست خوردگی غالب ہوں، تو اس معاشرے کی تخلیقی
اظہار کی شکلیں، خصوصاً شاعری، بھی انہی رویّوں کی عکاسی کریں گی۔"

ایلیٹ، ٹی ایس (7) رقمطراز ہیں:

"ادب، بالخصوص شاعری، کسی معاشرے کے لاشعور اور اس کے
تہذیبی شعور کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اگر معاشرے کا اجتماعی لاشعور ہی فرار،
خود فریبی، اور سطحی جذبات سے لبریز ہو، تو پھر تخلیق کار بھی اسی داخلی
کیفیت سے متاثر ہو کر ایسی ہی تخلیقات پیش کرے گا جو زندگی کے حقیقی
مسائل سے کٹ کر محض خیالی دنیا کی تشکیل کرتی ہیں۔"

اردو ادب میں بھی ایسے کئی تخلیق کار موجود ہیں جنہوں نے اپنی تہذیبی جڑوں سے جڑے رہتے ہوئے عالمی فکری رجحانات کو جذب کیا اور انہیں اپنی تخلیقات میں اس انداز سے ڈھالا کہ وہ مقامی اور عالمی دونوں قاری سے ہمکلام ہو سکیں۔ اردو ادب کی

تاریخ پر اگر گہرائی سے نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اس کی تخلیقی روایت محض جمالیاتی اظہار، جذباتی کیفیات یا لسانی چابک دستی تک محدود نہیں رہی، بلکہ اس نے تہذیبی شعور کے تناظر میں ایک فکری مکالمے (intellectual discourse) کی حیثیت بھی اختیار کی ہے۔

اس تخلیقی واخلاقی طرزِ اظہار کو ساقی فاروقی (8) یوں بیان کرتے ہیں:

"ادب کا کام تزکیہ ہے۔ انسان کے کسی نہ کسی نا ملائم جذبے کا تزکیہ، جو صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ لکھنے والا اپنے کسی خیال یا جذبے کو محسوسات کے دائرے میں لانے کے بعد جمالیاتی سطح پر الفاظ کی شکل دے دے۔"

اردو ادب، خاص طور پر فکشن اور افسانہ، نے اپنے دامن میں مختلف تہذیبی مظاہر کو سمیٹا ہے اور ہر دور کے فکری تقاضوں کے مطابق نئے تہذیبی سوالات کو جنم دیا ہے۔ اس تناظر میں قرۃ العین حیدر کا شاہکار ناول آگ کا دریا اردو ادب میں تہذیبی مکالمے کی سب سے جامع، پراثر اور بین المتنی (intertextual) مثال کے طور پر ابھرتا ہے۔ یہ ناول محض ایک داستان یا بیانیہ نہیں بلکہ مختلف ادوار، ثقافتوں، مذاہب اور فکری دھاروں کے باہم تعامل کا عکاس ہے۔ قرۃ العین حیدر نے اس ناول میں تہذیب کو ایک ساکت یا ماضی پرست تصور کے بجائے ایک مسلسل تغیر پذیر، فکری و روحانی ارتقا کی صورت میں پیش کیا ہے۔ آگ کا دریا کی نمایاں خوبی اس کی تہذیبی تنوع پذیری ہے، جہاں بدھ مت کے فلسفیانہ سکون سے لے کر ہندو دھرم کی رسوماتی پیچیدگی، اسلامی تہذیب کی روحانی گہرائی، فارسی و ایرانی اثرات کی نرمی و شائستگی، اور مغربی فکر کی عقلیت پسندی (rationalism) تک، سبھی عناصر نہ صرف موجود ہیں بلکہ باہم مربوط بھی ہیں۔ کردار مختلف زمانی ادوار میں جیتے ہیں، مگر ان کے تجربات تہذیب کی مختلف پرتوں کو اجاگر کرتے ہیں، جس سے قاری کو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تہذیب نہ تو کسی ایک وقت یا نسل کا تصور ہے اور نہ ہی ایک مجرد یا محدود تعریف، بلکہ یہ ایک سیال (fluid)، ہمہ جہت اور تخلیقی تجربہ ہے جو ماضی، حال اور مستقبل کو یکجا کرتا ہے۔ اس ناول میں تہذیب ایک ایسی حقیقت بن کر ابھرتی ہے جس کی شناخت وقت اور شعور کے بہاؤ میں مسلسل نئی صورتوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

تہذیب و تمدن کے باہمی تعلق اور کہانی کے حوالے سے سید عبدالباری (9) رقمطراز ہیں:

"شاعر اور ادیب محض اپنے معاشرے کی سطحی یا ظاہری تصویر کشی کا پابند نہیں ہوتا۔ اس کی تخلیقی بصیرت اسے صرف حال کی عکاسی پر محدود نہیں

رکھتی، بلکہ وہ ماضی کی روایات، اقدار اور تجربات سے معنوی ربط قائم کرتا ہے اور مستقبل کے امکانات کو بھی اپنے تخیل کے ذریعے مجسم کرتا ہے۔

قرۃ العین حیدر کے بعد اگر اردو ادب میں تہذیبی مکالمے کی سنجیدہ ترین اور علامتی صورتوں کی تلاش کی جائے تو انتظار حسین کا نام خصوصی توجہ کا مستحق قرار پاتا ہے۔ ان کے افسانے —— جیسے شہرِ افسوس، زرد کتا اور کچھوے —— ماضی کی بازیافت (nostalgic reconstruction)، تہذیبی ندامت، ہجرت، اور وجودی تشویش جیسے موضوعات کو اس قدر لطیف اور علامتی انداز میں پیش کرتے ہیں کہ وہ محض بیانیہ افسانے نہیں رہتے بلکہ تہذیبی سوالات کا خاموش مگر شدید اظہار بن جاتے ہیں۔ انتظار حسین کے ہاں تہذیب ایک نوحہ نہیں بلکہ سوالیہ نشان ہے، جس میں فرد اور تاریخ کے درمیان ایک پیچیدہ، غیر یقینی اور اکثر الم ناک رشتہ موجود ہے۔ ان کے ہاں ماضی کا احیاء کسی سطحی یادداشت کی بازیابی نہیں بلکہ تہذیبی خودشناسی (cultural self-awareness) کا وہ عمل ہے جو قاری کو نہ صرف تاریخ کی جانب متوجہ کرتا ہے بلکہ موجودہ تہذیبی بحرانوں پر بھی غور و فکر کا موقع فراہم کرتا ہے۔ یوں قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین، دونوں اردو ادب میں اس تخلیقی رجحان کے نمائندہ بن کر سامنے آتے ہیں جس نے تہذیب کو نہ صرف موضوع بنایا بلکہ اس سے مکالمہ کرتے ہوئے ادب کو ایک فکری و تہذیبی استعارہ بنا دیا۔ بانو قدسیہ کا ناول راجہ گدھ نہ صرف نفسیاتی پیچیدگیوں کا مطالعہ ہے بلکہ اخلاقی و تہذیبی سوالات کا ایک سنجیدہ اور کثیر المعنٰی بیانیہ بھی پیش کرتا ہے۔ بانو قدسیہ نے "حلال و حرام" کے تصور کو صرف مذہبی دائرے میں محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے تہذیبی زوال، اخلاقی گراوٹ، اور معاشرتی ناہمواری کے بڑے کینوس پر پھیلایا۔ اس ناول کے کردار معاشرتی بگاڑ، وجودی اضطراب اور فکری انتشار کی نمائندگی کرتے ہیں، اور یہ سب اس امر کی علامت ہے کہ اردو ادب تہذیب کے ساتھ صرف ہم آہنگی کا مظہر نہیں بلکہ اس کے خلاف تنقیدی جستجو کا ذریعہ بھی ہے۔ ان کے ہاں تہذیب ایک جبر، ایک اخلاقی کشمکش، اور ایک داخلی سوال بن کر ابھرتی ہے، جو قاری کو نہ صرف اپنی ذات کی بلکہ اپنے معاشرے کی تہذیبی اساس پر غور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

ریمنڈ ولیمز(10) رقمطراز ہیں:

"ادیب نہ صرف اپنے عہد کا مشاہدہ کرتا ہے بلکہ اپنے تخیل سے ایک ایسا متبادل بیانیہ بھی تشکیل دیتا ہے جو محض تقلید نہیں بلکہ تنقید، تجویز اور تخلیق کے امتزاج پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہی فکری بلندی ادب کو محض

تفریح یا تاثر کی سطح سے اٹھا کر سماجی و تہذیبی شعور کی تشکیل کا ذریعہ بناتی ہے۔"

اسی تناظر میں اگر اردو افسانے کی دنیا میں نظر دوڑائی جائے تو سعادت حسن منٹو کی تخلیقات ایک الگ سطح پر تہذیبی مکالمے کو جنم دیتی ہیں۔ منٹو نے تہذیب کو نہ تو کسی مثالی ماضی کی رومانوی تعبیر کے طور پر پیش کیا، اور نہ ہی محض نوحہ گری کا ذریعہ بنایا، بلکہ انہوں نے اسے ایک کربناک، شکستہ، اور باطن میں بکھرتی ہوئی حقیقت کے طور پر دریافت کیا۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں جو تہذیبی تصادم اور شناختی بحران دکھایا گیا ہے، وہ محض تقسیمِ ہند کا تاریخی احوال نہیں بلکہ اس پوری تہذیبی گہرائی کا علامتی اظہار ہے جو دو قوموں، مذاہب، اور ثقافتوں کے درمیان تقسیم کے نام پر چاک کر دی گئی۔ منٹو کا مزاج باغیانہ ضرور تھا، لیکن اس بغاوت میں ایک تہذیبی فکر، انسانی ہمدردی، اور اخلاقی بے چینی پوشیدہ تھی، جو ان کے ہر افسانے کو محض ادب نہیں بلکہ تہذیبی تحقیق کا استعارہ بنا دیتی ہے۔ ان کے ہاں جس جرات سے مذہبی منافرت، جنسی استحصال، طبقاتی تفریق، اور اجتماعی بے حسی کو بے نقاب کیا گیا، وہ اردو ادب کو ایک زندہ اور بے ساختہ مکالمے میں بدل دیتا ہے۔ منٹو کے ہاں زبان کی سادگی اور حقیقت نگاری کے پیچھے ایک گہرا تہذیبی شعور کام کرتا ہے، جو اس زمانے کے رائج بیانیے کے برعکس تھا، اور یہی اختلاف ان کے تخلیقی عمل کو ایک تنقیدی جہت عطا کرتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی بھی اردو ادب کے ایسے ہی تخلیق کار ہیں جنہوں نے دیہی زندگی، انسانی تعلقات، طبقاتی تقسیم اور معاشرتی ناہمواری کو تہذیبی پس منظر کے ساتھ پیش کیا۔ ان کا مشہور افسانہ کپاس کا پھول محض ایک دیہی منظر نامہ نہیں بلکہ انسانی ہمدردی، طبقاتی شعور، اور تہذیبی احساس کا آئینہ ہے۔ اس کہانی میں قاسمی نے سادگی سے ایسے تہذیبی کرب کو پیش کیا ہے جو بظاہر چھوٹے مسائل لگتے ہیں لیکن درحقیقت وہ معاشرتی ڈھانچے کی بنیادوں میں دراڑوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ وہ تہذیب جو محبت، انصاف اور انسانی وقار کی بنیاد پر قائم ہونی چاہیے، جب معاشی مفادات، طاقت کے عدم توازن اور احساسِ محرومی کا شکار ہو جائے، تو قاسمی جیسے لکھاری اس کے خلاف خاموش احتجاج کی صورت میں اپنی کہانیوں میں مکالمہ قائم کرتے ہیں۔ ان کے ہاں لفظوں میں شور نہیں ہوتا، مگر ایک خاموش چیخ ضرور سنائی دیتی ہے، جو ادب کو ایک تہذیبی عمل بنا دیتی ہے۔ پروفیسر فتح محمد ملک (11) لکھتے ہیں:

"ایک بڑے اور سچے شاعر کی عظمت اسی میں پنہاں ہوتی ہے کہ وہ صرف اپنے گرد و پیش کی سماجی و تہذیبی صورتِ حال کا مشاہدہ نہیں کرتا بلکہ اس میں پوشیدہ معنوی گہرائی کو بھی محسوس کرتا ہے۔ زمان و مکان کی پیچیدہ کیفیات، انسانی تجربات، داخلی کرب، اور اجتماعی اضطراب کو وہ نہ صرف

AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

بیان کرتا ہے بلکہ اس اظہار کے ذریعے زندگی کی مثبت جہتوں کو بھی دریافت کرتا ہے۔"

اردو شاعری اپنی ابتدائی روایت سے لے کر جدید دور تک تہذیبی شعور کے اظہار کا ایک مؤثر وسیلہ رہی ہے۔ یہ شاعری محض جذباتی یا جمالیاتی اظہار تک محدود نہیں رہی بلکہ اس میں تہذیبی اقدار، اجتماعی شعور، تاریخی حوالہ جات، اور فکری سوالات کی گہری پرتیں موجود رہی ہیں۔ مثلاً غالب کی شاعری میں تہذیبی شکست وریخت، فلسفیانہ تذبذب، اور وجودی بے چینی کو جس لطیف انداز میں بیان کیا گیا ہے، وہ محض شعری چابک دستی نہیں بلکہ اس عہد کے تہذیبی بحران کا آئینہ ہے۔ اسی طرح علامہ اقبال کی شاعری اسلامی تہذیب کی بازیافت، خودی کے تصور، اور استعمار کے خلاف فکری بغاوت کی مثال ہے۔ ان کے اشعار میں صرف فلسفہ یا تصوف ہی نہیں بلکہ ایک فعال تہذیبی بیانیہ بھی کارفرما ہے جو مسلم امہ کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فرمان فتح پوری(12) رقمطراز ہیں:

"بڑا شاعر معاشرے کے زخموں کو دیکھ کر صرف نوحہ گر نہیں بنتا، بلکہ ان زخموں سے اُمید، حوصلہ اور اثبات کی ایسی راہیں نکالتا ہے جو فرد اور معاشرے کو ایک نئے امکان سے روشناس کرتی ہیں۔"

فیض احمد فیض کی شاعری میں جمالیات اور احتجاج کا حسین امتزاج ملتا ہے، جہاں رومانوی استعارے سیاسی اور تہذیبی معنی اختیار کر لیتے ہیں۔ "بول کہ لب آزاد ہیں تیرے" جیسے اشعار صرف آزادیِ اظہار کا نعرہ نہیں بلکہ تہذیبی جبر کے خلاف ایک تاریخی صدائے احتجاج بھی ہیں۔ ن م راشد اور میرا جی جیسے جدید شعرا نے بھی تہذیب کے مروجہ سانچوں کو چیلنج کرتے ہوئے اردو شاعری کو ایک بین الاقوامی فکری دھارے سے جوڑنے کی کوشش کی۔ اردو شاعری یوں ایک ایسے تخلیقی مکالمے میں ڈھلتی چلی گئی ہے جہاں فرد، سماج، تاریخ، اور تہذیب باہم مربوط ہوتے ہیں۔ یہ شاعری نہ صرف ماضی کی بازیافت کا ذریعہ ہے بلکہ حال کے سوالات اور مستقبل کے امکانات کا بھی اشارہ ہے۔

تخلیقی ادب اور تہذیب کے درمیان باہمی مکالمہ دراصل ایک ایسا فکری اور جمالیاتی سفر ہے جو فرد، معاشرہ، اور تاریخ کے مابین تعلقات کو نہ صرف دریافت کرتا ہے بلکہ انہیں نئے معنوی پیرائے میں بھی ڈھالتا ہے۔ ادب، جب تہذیب کے ساتھ مکالمہ کرتا ہے تو وہ محض روایات کی تکرار نہیں کرتا، بلکہ ان میں پوشیدہ انسانی اقدار، فکری تضادات، اور ثقافتی امکانات کو آشکار کرتا ہے۔ اس عمل میں تخلیقی فنکار صرف نقال یا مؤرخ نہیں ہوتا، بلکہ ایک فکری معمار کے طور پر تہذیب کو ازسرِ نو ترتیب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ماضی کے ورثے کو نہ صرف محفوظ کرتا ہے بلکہ اس پر سوال بھی اٹھاتا ہے، اس میں تبدیلی کی گنجائش

AL-ZUMAR
Vol. 3 No. 02 (2025)
Al-Zumar
Online ISSN: 3006-8355
Print ISSN: 3006-8347

تلاش کرتا ہے، اور موجودہ زمانے کے مسائل کے تناظر میں اس کا از سر نو مفہوم وضع کرتا ہے۔ تہذیب، جو بظاہر ایک مستحکم اور یکساں ڈھانچہ دکھائی دیتی ہے، دراصل ایک متغیر، مباحثاتی، اور ارتقائی حقیقت ہوتی ہے۔ تخلیقی ادب اس حقیقت کو نہایت باریکی سے دریافت کرتا ہے۔ وہ ایسے سوالات اٹھاتا ہے جو بظاہر تسلیم شدہ تہذیبی معیارات کو چیلنج کرتے ہیں، جیسے اخلاقی اقدار، صنفی کردار، طبقاتی ساخت، یا مذہبی و ثقافتی رسمیات۔ یہ سوالات ادب کو صرف بیانیہ نہیں رہنے دیتے، بلکہ ایک فکری میدان میں تبدیل کر دیتے ہیں، جہاں قاری کو بھی شامل ہونا پڑتا ہے۔ اس طرح قاری، تخلیق، اور تہذیب کے درمیان ایک زندہ و متحرک مکالمہ قائم ہوتا ہے۔ یہی مکالمہ ادب کو اس کی زمانی و مکانی حدود سے نکال کر عالمی انسانی شعور سے جوڑ دیتا ہے۔ تخلیقی ادب کا یہ کردار اس وقت مزید تقویت اختیار کرتا ہے جب وہ محض مقامی مسائل سے نہیں بلکہ عالمی سطح کے انسانی تجربے سے مکالمہ کرتا ہے۔ تہذیبی سطح پر جب ادب مہاجرت، شناخت، جنس، ماحولیات، یا سیاسی جبر جیسے موضوعات سے رجوع کرتا ہے تو وہ ایک وسیع تر تناظر میں انسانی روح کی آواز بن جاتا ہے۔ یہ تخلیقی زبان صرف ایک خطے کی نہیں رہتی بلکہ ایک ایسی آفاقی زبان بن جاتی ہے جو مختلف تہذیبوں، ثقافتوں، اور اقوام کے درمیان ایک مشترک فکری رشتہ قائم کرتی ہے۔

مجموعی طور پر تخلیقی ادب اور تہذیب کا یہ مکالمہ کسی بھی معاشرے کی فکری بیداری، اخلاقی تجدید، اور روحانی ارتقاء کے لیے ناگزیر ہے۔ ادب صرف ماضی کا آئینہ نہیں بلکہ حال کا تجزیہ اور مستقبل کی تشکیل کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ نہ صرف تہذیب کا آئینہ دار ہے بلکہ اس کی تعبیرِ نو اور تخلیقِ نو کا محرک بھی ہے، جو ہر دور میں نئی معنویت، نیا وژن، اور نیا فکری سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ یہی وہ متحرک اور تخلیقی طاقت ہے جو ادب کو ایک تہذیبی کارنامہ بنا دیتی ہے۔ اس فکری سفر میں ادب کا کردار محض مشاہداتی نہیں رہتا بلکہ وہ ایک تجزیاتی اور تخلیقی قوت اختیار کر لیتا ہے، جو نہ صرف تہذیبی تفہیم کو گہرا کرتا ہے بلکہ انسان کو اپنی ذات، اپنے معاشرے اور پوری انسانیت کے ساتھ ربط میں لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا تخلیق کار، اگر تہذیبی مکالمے میں وسعت پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے بین الثقافتی بصیرت، تاریخی شعور، اور انسانی تجربے کی آفاقیت کو اپنی تخلیق میں شامل کرنا ناگزیر ہے۔

حوالہ جات و حواشی:

(1) جالبی، ڈاکٹر جمیل (1964ء) *پاکستانی کلچر* (اول ایڈیشن)، کراچی، مشتاق بک ڈپو، ص 45۔

(2) سید عبداللہ، ڈاکٹر، کلچر کا مسئلہ 2001ء، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص 23 -1

(3) نوازش، ڈاکٹر، بحوالہ افتخار بیگ، " احساس بیگانگی اور مغائرت، مجید امجد کی نظم کے تناظر میں 2009ء، مثال پبلشر، فیصل آباد، ص 148

(4)ہینسلن، جیمزایم(2015ء) *سوشیالوجی: ڈاون ٹوارتھ اپروچ* ، ہوبکنگ، ص XXV ۔

(5)سبط حسن، ماضی کے مزار2002ء، دانیال، کراچی، ص 15 -11

(6)سجاد باقر رضوی، "تہذیب و تخلیق، 1987ء، مقتدرہ اردو زبان، اسلام آباد، ص 66 -8۔

(7)ایلیٹ، ٹی ایس(2014ء) نوٹس ٹورڈزدی ڈیفینیشن آف کلچر، بوسٹن، ہیوٹن مفلن ہارکورٹ، ص 17۔

(8)ساقی فاروقی، " لفظ کا سفر، فیض میراجی اور راشد، مشمول حقیقی ادب، شمارہ 1985، 4، ص 2120204

(9)عبد البادی، سید ڈاکٹر، لکھنو کے شعر و ادب کا معاشرتی و ثقافتی پس منظر (عہد شجاع الدولہ سے واجد علی شاہ تک) ، 1987ء مطبع، نشاط آفسٹ پرایس ٹانڈہ فیض آباد، انڈیا، ص 16 -15۔

(10) ولیمز، ریمنڈ(1977ء) *مارکسزم اور لٹریچر*، آوکسفورڈ، آوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ص 133۔

(11) ملک، پروفیسر فتح محمد(2014ء) پاکستانی اردو افسانہ: ایک تعارف، *اردو ریسرچ جنرل*، ص 2۔

(12) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ"، 1990 وکٹری یک بینک، لاہور، ص 10